

”کوئی بھی نہیں“ میں نے کہا۔

” تو چھر تم خواب میں کہ رہے تھے کہ آؤ۔ آؤ...“ میری بیوی نے پریشان ہو کر چھپا۔
” ہاں یہیں ہی تھا جو آؤ۔ آؤ کہ رہا تھا“ میں نے اسے بتائی دی۔

” کس کو بلا رہے تھے؟“

” کسی کو بھی نہیں“ میں نے کہا ” تم سو جاؤ“

وہ سب سو گئے۔

تب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کرنے آیا ہے۔

” میں جانوروں کو خوش کرنے کے لئے آیا ہوں چھپے لے کر ...“ وہ بولا۔

” لیکن یہ میرا گھر ہے، قبرستان تو نہیں ہے“ میں نے تھتھے سے کہا۔

اس کے سچے سچے قبرستان ہے، جہاں مٹی ہے، وہاں ہڈی ہے، بس نشان نہیں ہے وہ

ہم سب قبرستانوں میں ہی تو ہیں ... آؤ“

میں نے بیکھلا کر اپنے بیوی بچوں کی طرف دیکھا لیکن شاید انہوں نے یہ آؤ نہیں

شناختا اور وہ اطمینان سے سوتے تھتھے۔

اس نے دا بڑہ سر سے اُتارا اور اس میں سے چھپڑے نکال نکال کر میرے، میری

بیوی اور بچوں کے بستر و پر چھینکنے لگا اور ساتھ ساتھ آؤ۔ آؤ۔“

میرا خیال ہے کہ میں یہ زیادہ پسند نہیں کروں گا کہ تم اکثر میرے گھر آؤ اور چھپر

آؤ۔ آؤ۔“

” تم اپنے جانوروں کو مجھ کا رکھو گے؟“ اس نے کہا۔

یہاں کوئی جانور نہیں ہیں،“ میں اپنے تھتھے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔

اور بتا وہ سب آئے جنہیں وہ پکارتا تھا لیکن یہ سب میرے گھر میں کہاں سے

آگئے۔ وہ دروازوں چوکھوں اور کھڑکیوں میں سے نکلتے، خواستے اور وہ میں ہلاستے ہوئے

وہ ہمارے بستر و پر چڑھ کر جڑے ہلانے لگے..... حیرت کی بات ہے کہ میرے بچوں

اور بیوی کو ان کا بوجھ محسوس نہ کر نہیں ہوا، اور وہ مرے سے سوتے رہے۔ البتہ

خوفزدہ تھا۔ صبح کی اذان ہوئی تو میرا خیالِ مختاک کہ اب وہ خوفزدہ ہوں گے، لیکن وہ اس طرح جڑے ہلاستے رہے.... کھڑکوں کے باہر چیزیں ظاہر ہوئے تھیں تو وہ سب چلے گئے۔ اس نے اپنا دابرہ اٹھایا "آؤ" کہا اور سکراتا ہوا چلا گیا۔

اگلے روز میری یادگاری شکایت کیردہ تھی کہ ہماری سفید چادروں اور صاف لکھتھی رضا یوں پرخون کے نشان تھے۔ اور اس قسم کی بُختی جو شرک کے شیے کچھے جائیوالے جانور کے قیہہ شدہ گوشت سے آتی ہے۔

میرا "آؤ" اور "آؤ" کے درمیان زندگی میں بہت کچھ ہوا اور اس "بہت کچھ" کی تفصیل بیان کرنا اتنا ہزوڑی بھی نہیں، چنانچہ بہت سارے دلوں کے بعد کوئی دن تھا۔ میں اپنی کار میں تھا۔ باہر صبح کی دھوپ تھی۔ میں ٹرینک کے اس اڑھے کا ایک جتنہ تھا۔ جو شرک کی سب سے ٹری شرک پر پہنکا رہا تھا، شور تھا جو کافوں میں پھلتا ہوا اترتا تھا۔ کاریں جو ہماری تھیں ان کی گردنبیں برابر تھیں۔ اور وہ ایک دوسرے سے آگے ہوئے کی کوشش میں تھیں۔ کاریں جو آرہی تھیں جھینپوں کی طرح اُڑھی آتی تھیں۔ پارن بجتے تھے اور ناٹھ پھیتھے تھے۔ اور لوگ تھے جو اپنے کاموں کو جانتے تھے اور یا تباہ کرتے تھے اور ان باتوں کا بھی شور تھا۔۔۔۔۔ تب اس سارے شور میں کسی نے کہا "آؤ"

اور میں نے کہا، "مجھا میرے تم یہاں بھی آگئے ہو۔ مجھی یہ شر ہے قبرستان نہیں اور یہ انسان ہیں کہتے اور بلیں نہیں، تم اپنا چھپڈوں سے لمبیز دابرہ اٹھا کر یہاں بھی آگئے ہو..... یہاں بھی آگئے ہو۔ اور تب قبیلے احساں پوکہ میں خود کوں رہا ہوں جو کہ رہا ہوں بہت بلن۔ آواز میں کہہ رہا ہوں اور صرف میری آواز ہے جو شر کی ٹری شرک پر گنجتی ہے اور باتی خاموشی ہے۔۔۔۔ جی ہاں دبی خاموشی جس میں سوئی گرے تو بھی آواز آجاتی ہے اور اس خاموشی میں میں بولتا تھا کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو، یہاں انسان ہیں، جیوان نہیں۔۔۔۔ میں نے سوچا یہ خاموشی چوتی چاہئے۔ ہونے ہو میرے کافوں کا حصہ رہے لیکن صور اگر کافوں کا ہوتا تو پھر میں خود کو

بھی نہ ملتا..... ہو سکتا ہے کار کے خیشے بیس اس لئے جنا کچھ کار کے خیشے کھوں ہوں تو خاموشی ہی بھتی ہوئی اندر آتی ہے۔ میں دروازہ کھولتا ہوں اور باہر آتا ہوں، بلہ لفک کو جیسے ساپ بنو گیا ہے یا کسی نے اسے پتھر کو دیا ہے۔ کاریں روکی ہوئی ہیں۔ لوگ چل پھر رہے ہیں لیکن پائیں نہیں کر رہے بلکہ کچھ دیکھنے اور کچھ سننے کی جستجویں ہیں۔ ایک غرماً تا ہواً آؤ۔ شتر کی سب سے بڑی طرک پر گونجا اور میں نے پھر کس کو میاں صاحب! یہ آپ کیا کر رہے ہیں، کیا چاہتے ہیں یا میاں انسان ہیں جیوان نہیں۔ اس نے میری بات پر کان نہیں ڈھرا، دھیان نہیں دیا اور داڑھے میں سے پھر پھر نکال کر چوک میں بھیڑ نے لگا۔ ”آؤ“

کھاں سے آئیں گے کہتے اور بیاں اور کوئے اور وہ جو مردے کھاتے ہیں۔ عمارتوں میں سے خلیں گے! طرک میں سے پھوٹیں گے؟ اسماں سے ٹپکیں گے؟ کمال سے آئیں گے؟

لوگ اس کے پاس بجھ ہوتے رہے۔ ”آؤ“

بھوم زیادہ ہو گیا اور اس میں شتر کے بھی طبقے تھے۔ قائم بھی عالم بھی تھے۔ حاکم بھی تھے، حکوم بھی تھے۔ دردی والے بھی تھے اور بغیر دردی والے بھی تھے۔ ... جب اس کا دابرہ خالی ہو گیا تو اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے پھر کما کر ہمارے کتے اور بیاں قبرستان میں ہیں۔ وہ مردے کھانے والے قبروں میں میں یاں تک کیے آئیں گے؟ دیں جاؤ۔

اس نے خاموشی کو ٹھنا اور پھر اس خاموشی میں آواز دی جاؤ۔

مردہ بینڈک ایسی آنکھوں والا شخص آگے آیا۔ ... اس نے ایک پھر پھر انٹھایا، منہ میں ڈالا اور جڑے چلانے لگا۔

ایک شخص شتر کی سب سے قسمی کار میں سے اُڑا رہیں ٹکتا زمین پر بیٹھا اور پھر گئے۔ ٹیک کر بھیلیوں کے بل جلتا چلتا پھر پھر دوں کے پاس پہنچ گیا۔ نبے چوخے والا ایک آدمی اپنی دستار سنجھاں آگے آیا۔

”آؤ“

چند لمحوں میں بے شمار جبڑے چل رہے تھے گردن کی رگیں بچولتی تھیں اور اس خاموشی میں ایک بلکی غرما ہست چلتی تھی۔
”آؤ“ اس کی آواز آئی۔

”میں اب تم سے کہہ رہا ہوں“ وہ میرے قریب آگی۔ ”تم بھی آؤ۔۔۔ سکھاؤ۔۔۔“
میں نے اپنے قدموں میں پڑے چھپڑے کو دیکھا۔ پرہ نہیں کس کا خون تھا، کس کے
بدن کا حسر تھا، تبر و سی نوچا ہوا لگتا تھا۔ اور خون چوسا ہوا لگتا تھا۔
”نہیں“ میں نے سر ہلایا۔

”سب کھار ہے ہیں“ وہ سکرا یا ”تم بھی کھالو“ اس نے مجھک کر ایک چھپڑا
اٹھایا اور میری طرف بڑھا دیا۔

ٹامِ عِمَّ میشین

”میں نے بنالی ہے۔“
”کیا؟“

”وہی بھجوئے روزگار شے۔ شے نہیں میشین، جسے بناتے بناتے ابھی ابھی اسی وقت
میرا آخری سیاہ بال سفید ہو گیا ہے۔“
”جیکل تم مذاق تو نہیں کر رہے ہے؟ کہیں تمہارے سر کی سفیدی کا گودا تمہارے دامغ
پر اثر انداز تو نہیں ہو گیا؟“
”ہاؤ، میں مذاق نہیں کر رہا..... میں نے ابھی ابھی آخری پیچ کا ہے... تم
خواہ آجاؤ؟“

”وزرا تو نہیں آسکتا۔ میں نے بھی ابھی ابھی اپنے سفید سر پر ہر لکڑ فربر ۲۴ کا
لیپ پوتا ہے... ہر ایات پر درج ہے کہ کم از کم آدھ گھنٹے کے وقتنے کے بعد
بال دھونے چاہیں درم سیاہ نہ ہو سکیں گے۔“
”ہاؤ تم یقیناً ایک بوڑھے بکرے ہو، ایک سو فینڈ کیتے اور گھٹیا انسان.....
تم تو کہتے سمجھتے کہ ٹھاپے کے باوجود میرے بال قدرتی طور پر سیاہ ہیں اور میں نہیں
ڈائی نہیں کرتا۔“

”آہم..... دراصل..... یا جیکل تمہاری جس مزاج کے طوطے ہہشٹ اُڑے دہنے
ہیں، بھئی میں تو مذاق کر رہا تھا..... میں تو اس وقت آئینے کے سامنے کھٹا اپنے قدی

٢١٠
طور پر سیاہ بالوں میں کنگھی کمدہا ہوں اور تمہارا فون سن رہا ہوں؟
” تو پھر فڑا آجاؤ؟ ”
” آگی ”

ذو سو گیارہ صبحی منزل پر پہنچتے پہنچتے ہائیڈ کا سانس مچھول گی۔ اگرچہ وہ بیٹھ میں رواہ ہو گکر بیان نک آیا تھا لیکن ذو سو گیارہ منزلیں ذو سو گیارہ منزلیں ہوتی ہیں بیٹھ ہو یا زندہ ہو۔ وہ ہانپتا ہوا جیل کے فلیٹ میں داخل ہوا۔

جیکل ایک پاٹھی کے پاس کھڑا امتحنا۔

”ہاگھی؟“ پائندے اچھل کر کھا۔

جیکل نے ہاتھ میں پکڑا یعنی کس ہاتھی کی قوند پر دے مارا۔ اس میں سے ایک "ڈھپ" کی آواز کی بجائے ایک گھیر سائیں "برآمد ہوا" لو ہے کا ہے۔
"لو ہے کا ہاتھ؟" ہائد نے اپنی ابلی آنکھوں پر مستقلی رکھ لی مبادا دہ ابل ٹریں یہ "ہنسی یا۔" جیکل نے اب اپنا یعنی کس ہائد کی قوند پر مارا جس میں سے حب توقع "ڈھپ" کی آواز آئی۔ ہائد درد کی شدت سے ددھرا ہونے کو تھا کہ اُسے یاد آیا کہ دہ موٹنا ہوتے کی یہاں پر وہ رہا نہیں ہو سکتا چنانچہ اس نے ایک واہجی سی "اُف" پر ہی اکتفا کی۔ مالی ڈیر ہائڈ یہ دہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ یہ دہ ہے جو میں نے بنائی ہے، دہی ٹھوپ بہ روز گارشے..... شے نہیں مٹھیں جسے بناتے بناتے ابھی ابھی اسی وقت..... اس وقت نہیں تقریباً دس منٹ پیشتر میرا آخری سیاہ بال سعید ہوا ہے.... نہیں یہ ہاتھی اس لئے لگ رہی ہے کہ یہ ہے ہی ہاتھی..... لیکن قدر ظاہر طور پر..... مالی ڈیر ہائڈ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر مٹھیں، مٹھیں ہی دکھانی دے دہ ہاتھی بھی تو دکھانی دے سکتی ہے۔"

”مجھے ہاں یا نہ میں جواب دو کہ رہا تھا ہے یا مشین؟“

”یہ شین ہے، میں نے ہاتھی کی خل دی ہے۔ آخر تبدیلی بھی کوئی چیز ہوتی ہے مانی ڈیر،“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے“ ہائٹ نے اپنے کھولتے ہوئے ٹھنٹے پر ڈھکن لیکھنے کی کوشش کی۔ یہ ایک مشین ہے جسے تم نے ہاتھی کی شکل میں بنایا ہے مگر اس قسم کی مشین؟“

”ٹائم مشین“

ہائٹ کا کھونا ہوا غصہ ایک کھولتے ہوئے ٹھنٹے کی صورت اُس کے بوڑھے مُنڈے کاڑھے فیرے کی طرح بینے لگا“ اُٹے بوڑھے بکرے، کیا کہہ رہے ہو۔ متسارا دماغ نہ صرف چل گیا ہے بلکہ چلتا ہوا اکپھہ زیادہ ہی دُور چلا گیا ہے...۔ ایک بھی ڈنے کی تابیں پڑھنے کا یہی اثر ہوتا ہے“

”ماں! دیگر ہائٹ!“ جیکل روہانا ہو کر بولا“ میں اپنی جوانی کے تمام معاشروں کی تسمیہ کھا کر کتنا ہوں کہ یہ ہاتھی جو ہے یہ سمجھی کی ٹائم مشین ہے“

”تم وقوف سے کہہ سکتے ہو“

”بالکل“

”تم نے اسے آذنا یا ہے“

”اسی لئے تو تمہیں بلا یا ہے“

ہائٹ نے فردا دروازے کا رُخ کر لیا مگر جب وہ باہر قدم رکھنے لگا تو اسے محسوس ہوا کہ اُس کے پاؤں سے پیٹی دو ریاں اُس کی راہ میں حائل ہیں اور یہ ریاں جیکل کے باریک بازو نکتے جو اُس کے پاؤں پکڑے فرش پر بیٹھا تھا۔ ”پیلیز ہائٹ میری مدد کرو...۔ اس شیں میں میٹھے جاؤ اور میں تمہیں پچھلے زمانوں کی بیر کرو دوں گا۔ پیلیز ہماری سو سال رفاقت کی خاطر“

”کم از کم میرے پاؤں تو چھوڑ دو“

جیکل نے اس کے پاؤں چھوڑے تو اس سے بغل گیر ہو گیا اور وہ خاصی دیر تک بغل گیر ہوتا رہا یہاں تک کہ بیچارے ہائٹ کی سانسیں قدرے بے ربط ہونے لگیں۔ یہ بے ربطی دفتر ہی ذات کی وجہ سے ہرگز نہ ہاتھی بلکہ جیکل کے ہاتھوں کے ٹکنے کے نتیجے میں دفعہ پذیر ہو رہی تھی جو اس کا نظام تنفس منقطع کرنے کو تھا جیکل کو جب

۷۱۲
اس اندھہ کی صورت حال کا احساس ہوا تو اس نے ہائڈ کو فراہمی بغلیری سے آزاد کر دیا۔ ہائڈ مضمون سے فرش پر گکر گیا۔

”ماں! ڈیر ہائڈ“ جیکل نے جھک کر کہا ”تم فی الحال مرنیں سکتے، تم کو کر کے تو میری نام میں میں کون بیٹھے گا؟“

ہائڈ لرزی ہوتی تاگوں کو گھسیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ”میرے بال ابھی تک قدری طور پر سیاہ ہیں، میں فی الحال مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا؟“

”ہرے“ جیکل نے نفرہ لگایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھی یعنی میں کے پاس لے گی ”اس کا آپریشن اتنا آسان ہے کہ اسے ایک بچہ بھی آپریٹ کر سکتا ہے۔“
بین بھر ایک، اس کے گرد دُنیا کے ان خلوں کے نام درج ہیں جہاں اس میں بھی ہوئے شخص کو بھیجا جا سکتا ہے بین بھر دو کے گرد جو ہندے ہیں انہیں دبا کر گزدے ہوئے دقوں کی طرف ایک اٹا سفر اختیار کیا جا سکتا ہے۔“

”بہت ہی دلچسپ ماں! ڈیر جیکل!“

”مجھے اپنا لیکھر ختم کر لینے دو“ جیکل جھلا کر بولا ”مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اٹھا رہیں صدی کے امریکہ میں بیٹھنا چاہے تو بین بھر ایک کو“ امریکی پر اعظم پر فکس کیا جائے اور بین بھر دو پر اٹھا رہ کے ہندے کو دبادیا جائے..... کھل جا سکم اور تم وہاں ہو گے.....“

”مجھے لیکن نہیں آ رہا!“

”پر کھناییں کرنا ہے۔ آپ میرے ممان بتئے۔“ جیکل نے ہاتھی کے پیٹ میں پٹیڈیا ایک آہنی دروازہ کھولتے ہوئے ہائڈ کو دعوت دی۔

”مجھے واقعی بیکن نہیں آ رہا“ ہائڈ بڑا تباہ ہوا بلے دھیانی میں اُس کے اندر بھاٹختے لگا اور اُسی لمبے جیکل نے اُسے ایک نذر کا دھکا دیا اور دروازے کو مضبوطی سے بن کر دیا ہاتھی بُری طرح ڈالنے لگا، ہائڈ اُس کے اندر اُصم مچا رہا تھا اور اُس کی جیخ دپکار نے جیکل کو بے بنیا مسٹرت دی اور وہ ہاتھ ملتا ہوا ایک عیارانہ مسکراہست اپنے لیوں پر لے آیا۔ چند منٹ بعد ہاتھی پھر سے ستمکم ہو گیا یعنی ہائڈ بے چارہ اب تھک ہا رکڑاں

کی تو نہ میں ہانپے جا رہا تھا۔

"میرے ہر یز ترین دوست تم کیسے ہو؟" جیکل نے ہاتھی کے پیٹ پر چیخ کش ریڈ کرتے ہوئے پوچھا۔ ہاتھی کا اندر گفت خلا اس ضرب سے گونجا اور اُس میں تھیہ ہائڈ بھرے اُدھم حیپانے لگا۔

"خاموش" جیکل نے چھلا کر ہاتھی کی تو نہ پر چیخ کس کے متعدد وارکے ہائڈ خوفزدہ ہو کر چپ ہو گیا۔ مالی ڈیر ہائڈ اب جبکہ تم ہاتھی کے پیٹ میں قید ہو ہی پھے ہو تو مدد اخلاقیات کا بھی تعاضا ہے کہ تم حالات سے محبوہ کر لو۔"

"وہ کیسے؟ ہائڈ کی حصی لعنتی آواز آئی۔

"تم بغیر کسی دھومن اور طاقت کے استعمال کے اپنے آپ کو تمام مشین کے پرکھنے کے لئے ایک دگنی پگ یعنی بھرباتی جاونڈ کے طور پر آفر کر دو۔"

"اور اگر میں ایسا کروں تو تم وعدہ کرتے ہو کہ مجھے اس قید سے نکال لو گے؟"

"ایک شریعت آدمی کا وعدہ"

"میں ہائڈ ابن ہائڈ بے قائمی ہوش دھومن اپنے آپ کو بطور گنی پگ والنسیڈ کرنا ہوں اور میں کسی تم کے دباؤ یا دھومن کی وجہ سے ایسا نہیں کمردا ہا۔"

"جالی گو" جیکل بے حد راضی ہوا "اب تم یہ بتاؤ کہ تم کونسے ملک میں مانی کی کس صدی میں جانا پسند کرو گے؟"

"کس حرامزادے کو پرواہے۔ تم بس کوئی سا بیٹن وبا دو اور اس بلا اسٹڈ مشین کو پسند کر کے مجھے یہاں سے نکالو۔"

"غصہ۔ غصہ۔ مالی ڈیر ہائڈ، بُری بات۔ نہیں تو یہ صورت حال انجائے کرنی چاہیے۔ بھائی اگر گنی پگ بن ہی گئے ہو تو کم از کم اپنی پسند کے زمانے اور ملک میں سفر کرو۔"

"اگر نہیں اصرار ہے تو پھر... تو پھر... مجھے سوچنے دو... اچھا تو پھر مجھے پسند ہوں صدی کے پُر اسرادِ مشترق میں مجھیج دو۔"

"یہ ہوتی نہ پسپورٹ میں پرست مالی ڈیر ہائڈ..... تیار ہو جاؤ میں بُٹن دیا نے کو ہوں

.... نمبر ایک پر اسرار مشرق نمبر دو پندرہ ”

تب ایک مجموعہ چال سا آیا۔ ہائٹ ہاتھی کے پریٹ میں ایک بے بن پتے کی طرح لڑکھنے لگا۔ لڑکھنے کے عمل میں اُسے خیف فتم کی صربیں بھی آئیں جن کی تاب نہ لاستہ ہوئے وہ عارضی طور پر بیووش ہو گیا۔

تب جیکل نے اپنے مایر ناز ہاتھی کے پریٹ پر کان جایا، اندر خاہوشی ہتھی، کوئی رہتھا۔ ہاں ہائٹ ہاتھا لیکن وہ رہتا بھی اور نہیں بھی۔ جیکل ہاتھی کی تیر اور اُس کے بعد ہائٹ کے ساتھ دھینگا مشتی کے باعث ناصا تھک چکا تھا چنانچہ اُس نے بلوش کی کہ وہ فلیٹ میں پڑے ایک بزرگ صوفی کے نئے پر ٹنگوں پر نیم دراز ہو جائے، نہ ہو سکا تو صرف دراز ہو گیا۔ وہ ہائٹ کے بارے میں قدر سے متفلک رہا کیونکہ وہ دوست رہتا۔ بہر حال سائنس کی ترقی اور نسل انسانی کی فلاج و بیبود وہ بلند پایہ آئیڈیل مختج جس پر اس فتم کے کسی نامعلوم دوست کو قربان کر دینا کوئی نامناسب یا بیبودہ ہاتھی۔ اپنے صیغہ کو ٹھیک طور پر طلب کرنے کے بعد وہ خوارپ خروگوش کے حرمے لوٹنے لگا۔ ایک طویل مدت وہ ان خروگوشوں سے آنکھ چوپی کھیلتا رہا اور جب بالآخر وہ بیدار ہوا تو اُس کے سامنے ہاتھی رہتا۔

”ہاتھی! ہی ہاتھی میرے کمرے میں کیسے آگی۔ اُسی لمجے دہ شدید پہشان ہوا کہ بڑھا پسے کی دبر سے اُس کے احساس اتنے دھیلے پڑ گئے تھے کہ اُسے اپنی مایر ناز تھیش بھی یاد نہ ری تھی۔ اُسے اپنے آپ کو اس بھجلکڑیں کی سزا کے طور پر دوستہ پھیر دیسید کے اور ہاتھی کی طرف بڑھا۔

”ادہ“ وہ دوسری مرتبہ پھر اچھلا کیونکہ اُس کو یہ بھی یاد آگی رہتا کہ اس کا عزیز زجان دوست اس ہاتھی کے پریٹ میں تھا۔ وہ فرزی طور پر اپنے دوست کے لئے بے حد اداس ہو گیا اور ایک طیرسی کے ذریعے ہاتھی کے کان تک پہنچا اور سرگوشی لی۔ ہیلو میرے پیارے دوست! لیکن ہاتھی خاموش رہا، یعنی ہائٹ خاموش رہا۔

جیکل یا یوس ہو کر ریڑھی سے اُترنا اور پھر اُسی بزرگ صوفی پر دراز ہو گیا بلکہ دراز ہوئے کو تھا کہ ایک دل دہلا دینے والا دھماکہ ہوا، اور جب جیکل کے اوسان خطا

ہونے کے بعد بھاول ہوئے تو اُس نے دیکھا کہ دھویں اور لہے کے بڑے بڑے
مکروں کے درمیان جو کہ کبھی ہامقی کا جسم تھے ہائے اس طرح کھڑا تھا جیسے شتر مرغ
کا بچپہ انداز تڑکر اُس کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ دونوں دوست دو فوجیا
سے مغلوب ہو کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے اور کافی دیر تک ہوتے رہے۔
”اب میں کبھی رومانوی ہو گری یہ نہیں کہوں گا کہ کاش میں پندھویں صدی میں
پیدا ہوتا۔“ ہائے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔

”میں تو تمہارے لئے اوس ہو گیا تھا۔“ جیکل نے بھی بڑے شدید سے اُس
کے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔

”اور میں بھی میسویں صدی کے لئے اوس ہو گیا تھا۔ آہ بیسویں صدی“
ہائے زندگی پھلا کر ایک گھر اسائیں لیا۔ ”اب میں اپنے زمانے میں سائنس لے رہا
ہوں، ایک تندیب یافتہ ہمد میں۔“

”ادے“ یہ کدم جیکل نے دوستی اور بیمار کے تمام تر جذبات فراموش کر کے
ہائے کا کان پکڑیا۔ ”کیا تم واٹھی پندھویں صدی کے پُرا سارا مشرق میں پہنچ گئے
تھے، پلیز جلدی بتاؤ، کیا واٹھی میری نالام میشین کام کرتی ہے؟“
”فجیے آرام تو کر لینے دو“ ہائے زندگی پہلے کان چھڑایا اور بھرنا رہن ہو کر بولا۔ ”آخر کو
میں پانچ صدیوں کا طویل فاصلہ طے کر کے گیا تھا اور اب داپس آیا ہوں، قادرے
ختک گیا ہوں۔“

جیکل نے اُسے بڑے اہتمام سے بزرگ صوفی کے نگلے سپریگوں پر بھایا اور خود
ایک نالائق شاگرد کی طرح اُس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ”جلدی بتاؤ میرے بیمارے
ہائے، میں جانتا چاہتا ہوں، میں جانتا چاہتا ہوں، تم کہاں تھے؟ تم نے کیا دیکھا؟“
ہائے زندگی پر زبردستی متعدد بل ڈالے، ایک گھری سائیں بھر کر تھکا وٹ اٹاری
اور ایک انتہائی سنجیدہ صورت بن کر کہا۔ — میں نے دیکھا!

میں نے دیکھا۔

چھانسی کے ان تھڑوں کو معنی طے سینٹ سے تغیر کروتا کہ یہ آنے والے کل کا بوجہ

بھی برواداشت کر سکیں۔

آنے والے کل نے تو کل آنا تھا اور آج ان تھردوں پر کون کھڑا تھا۔

میں نے دیکھا۔

رُومی الکھڑائے میں فی الحال تمام نشستیں خالی تھیں۔ تراش پچھلے پر ہونا تھا۔
المبتذیہ میدان ایک شخص لکھڑوی کے کل پُرزوں والی ایک مشین نصب کر رہا تھا۔
عین ملکی سیاح نے بڑی دلچسپی سے مشین کا معائنہ کیا "جناب مقامی باشدے صاحب....."
اُس نے تیل سے چھپرے لٹگوٹ مبوس تو مند سیاہ فام سے کہا "یہ مشین کس کام
آئی ہے؟"

"جناب عالی۔" تو مند شخص نے ایک عین ملکی کو ایک مقامی صفت میں دلچسپی
لیتے دیکھ کر انتہائی مررت سے ہاتھ لئے "جناب عالی یہ ہمارے اپنے نلک میں بنی
ہے۔ آزادی سے پھلے بھی بھی تھی جب آپ جیسے چلتے لوگ ہمارے بادشاہ ہوتے
تھے۔ پھر جناب عالی اس کی صفت ختم ہو گئی۔ لوگ محبوں بجال گئے کہ یہ صفت بھی کبھی
اس نلک میں ہوتی تھی۔ پھر جناب اللذخوش رکھے ہمارے نئے سلطان کو، انہوں نے
اسے کبار خانے سے بکالا اور پھر سے میداں اور چوکوں میں نصب کر دیا۔ بڑی کار آمد
مشین ہے صاحب جی...."

"لیکن جناب مقامی باشدے صاحب اس سے بتا کیا ہے؟"

"بتا کیا ہے؟ صاحب جی ادھر تشریف لائیں... ادھر... منہ ادھر کر لیں اب
اپنے دوں ہاتھ اور پر کریں.... شباباش.... اور ٹانگیں ادھر...."

ایک اپھے سیاح کی طرح جانے کی جگہ میں وہ مقامی باشدے کی ہدایات پر عمل
کرنا رہا اور جب اُس کا بدن تکلیف کی شدت سے کھنپنے لگا تب اُسے احساس ہوا
کہ وہ مشین کے ساتھ باندھا جا چکا ہے۔ اس حالت میں کہ وہ تو مند شخص کو دیکھ
بھی نہیں سکتا تھا صرف اُس کی اواز سن سکتا تھا۔

"ہاں تو آپ نے پوچھا تھا کہ اس مشین سے بتا کیا ہے؟... قبیر بتا جی۔
چوروں کی دھمیاں اُڑ جاتی ہیں۔ بندہ کھٹی ہو جاتا ہے۔ بندے کے کل پُرزوں سے۔"

بھی جناب، درست جناب، حاضر جناب کئے لگتے ہیں...." غیر ملکی قدر سے جو اس بانختر
ہو گیا اور اُس روز بڑکو کو سنتے لگا جب اُس کے دل میں پند و ہویں صدی کے نئم دھنی
مشرق کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔

"کیا مشین یہ تمام عمل خود بخود کرتی ہے؟ یعنی آٹو میک ہے؟" سیاح نے عافیت
اسکی میں جانی کر گفتگو جاری رکھی جائے۔

"منیں بھی اس کے ساتھ تو بندے کو صرف سختی کر دیتے ہیں، باقی کام تو جی ہے
کرتا ہے...." تون منڈھن کے ہاتھ میں چکنا ہوت سے چور چپڑے کا ایک آدمخدا
پسے اُس نے ہوا میں لہرا�ا تو ایک چھپنکار سی کاںوں میں گوچی۔

".... صاحب بھی دیلے تو بڑی خواہش ہے کہ کوئی آپ جیسے صاحب کی
پشت ہو سفیر سفید۔ اور اُس کا میں قیمہ بناؤں.... اور دو دھیا چو ٹروں کے خونی چیزیں
بناؤں.... اور.... پر آپ تو محماں ہوئے جی۔"

سیاح نیم بیویش ہو چکا تھا جب اُسے مشین سے الگ کیا گیا۔

"خواہ نجواہ درگی ہے چٹا باندر...." تون منڈھن بڑا یا۔ اُسی لمحے اُس نے
دیکھا کہ وہ چٹا باندر واقعی سر پر پاؤں رکھے بیکٹ بھاگا گا جارہا تھا۔ تون منڈھن نے
اُسے زور سے پکارا" صاحب جی تاشہ تو دیکھتے جاؤ۔ تین بجے کا وقت ہے، بعد از
نماز.... بڑی دُنیا اُسے گی دیکھتے.... جو نہیں دیکھ سکیں گے اُنہیں آوازیں سنوائیں گے
لا دا پسیکر، ہائے او میں مرگیا۔ مال اوئے مال اوئے.... ایسے گڑائے گا جیسے بند
خہ ہو چھڑی تلے بکرا ہو.... دیکھنا تو سہی کہ ہم نے انسان اور جا فور کا فرق ختم کر دیا ہے۔
لیکن سیاح اُس کی آواز کی زد سے باہر جا چکا تھا۔ البتہ یہ فقرہ اس کے ساتھ
ساتھ سفر کرتا رہا کہ ہم نے انسان اور جا فور کا فرق ختم کر دیا ہے.... ہم نے انسان
اور جا فور کا فرق ختم کر دیا ہے....

راستوں پر بہت کم لوگ ملتے۔ جو ملتے ہوئے چل رہے تھے تاکہ وہ اپنا
راستہ دیکھتے رہیں، صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں۔
سیاح پلکروں میں گھری مردہ مینڈک ایسی آنکھیں ہر کسی کو گھوڑہ بھی تھیں۔

۳۱۸

تاریخی قلعے کی فضیل اتنی چوڑی تھی کہ اگس پر بادشاہ کی رختہ دوڑ سکتی تھی۔
غیر ملکی سیاح کو قدرتی طور پر اس قسم کی عمارتیں دیکھنے کا شوق تھا چنانچہ وہ انہ
داخل ہو گیا۔ اُسے کسی غیر مردی ہاتھ نے دبوچا اور ایک تاریک کوٹھری میں لاکھڑا
کیا۔ سامنے سیاہ پلکوں میں گھری مردہ مینڈک الیسی آنکھیں تھیں ”اُسے کیوں
پکڑ لائے ہو؟“

”مردیہ تاک جھانک کر رہا تھا، ہم نے مجھا جاسوس ہے۔“

”آپ امریکہ سے آئے ہیں؟“ مردہ آنکھوں نے پوچھا۔

”امریکہ تو ابھی دریافت نہیں ہوا، ابھی تو صرف پندرہ ہوئی صدی ہے“ سیاح نے
لرزتے ہوئے کہا۔ ایک تو اس صدی میں اگر اُسے لرزنا بہت پڑتا تھا۔

”مردہ آنکھیں مزید مردہ ہوئیں“ روس سے آئے ہو؟“

”آپ کہاں سے آئے ہیں؟“ سیاح نے یونہی سوال اٹھادیا۔

”میں؟“ مردہ آنکھوں کی سفید پتیاں انڈھیرے میں چکیں۔ ”میں اوپر سے آیا ہوں۔“
سیاح نے کپکاتی آواز کو قابو میں رکھنے کی سعی کرتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے۔
”دیکھنے میں ایک بے صرتوں کا سیاح ہوں، صرف اس تاریخی قلعے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“
”میں دکھانا ہوں۔“ مردہ آنکھوں نے اُس کا ہاتھ پکڑا۔

ایک کوٹھری میں قلم تھے۔

”جو لکھا جانا تھا، لکھا جا چکا۔ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔“
ایک کوٹھری میں چوریوں کے ٹکڑے پڑے تھے اور دیواروں پر نسوانی نام

کھوڑچے ہوئے تھے۔

”ہم کم از کم اس جگہ مرد اور عورت کو برابری کی سطح پر رکھتے ہیں؛“

ایک کرے میں ناخنوں کے ڈھیر تھے۔

”ہم طہارت اور پاکیزگی پر یقین رکھتے ہیں، جو لوگ اپنے ناخن خود نہیں کاٹتے
تھے، ہم نے ان کے ناخن کیجیے لئے۔“

ایک کرے میں مصنوعی بالوں کی دیگیں جمع تھیں۔

"پہلے منظموں کی کھوپریاں ان لوگوں سے دلکشی رہتی تھیں اور وہ ہماری آواز
سچن نہیں سکتے تھے۔ اب صرف ہماری آواز سنتے ہیں۔"

ایوان خال میں کھوپریوں کا ایک میساز تھا۔

"یہ کھوپریاں صرف دوائیں سے بائیں اور بائیں سے دوائیں مسلسل انکار میں جو کہ
کرنی رہتی تھیں چنانچہ ہم نے انہیں شمالاً اور جنوبًا بھی گھایا اور بُسمی سے یہ اپنے
جسموں سے طیحہ ہو گئیں۔"

غیر ملکی سیاح جب تاریخی ہمارت سے باہر آیا تو اُس نے اپنے نام ناخ دیجھے،
موجود تھے۔ اپنی کھوپری کو ٹھوٹلا، اپنی جگہ پر تھی اور پھر طینان سے شہر کی سیر کرنے لگا۔
راستوں پر بہت کم لوگ تھے۔ جو مختہ جھکے ہوئے چل رہے تھے تاکہ وہ اپنا
راستہ دیکھتے رہیں، صراطِ مستقیم پر ملتے رہیں۔

سیاہ پلکوں میں گھری مردہ مینڈک ایسی آنکھیں ہر کسی کو گھوڑہ بھی تھیں۔
اور پھر سچ کا وقت تھا۔ ہر سو نور بریں رہا تھا۔ لوگ اپنے رب کی نعمتوں کا شکرانہ
کرنے کے لئے عبادت خاوفن کی جانب رواں تھے۔ فتنا میں ایک محظر پاکیزی تھی اور
ایسی ہمارت تھی کہ غیر ملکی سیاح بھی اپنے ذاتی رب کی شا میں مشغول ہو گیا اور وہ
کرنے لگا پاک ناموں کا اور مقدس شیش کا اور اُس کا چھے رومنی حاکموں نے
خُروں کے ایک گروہ کے درمیان میخوں سے گاڑ دیا اور اس روحتانی فضایں وہ
بھیگتا رہا یہاں تک کہ عبادت گزار اُس معبد کے دروازے میں سے باہر کرنے لگے
ہیں کی دیوار کے سائے میں وہ حدوثا میں مشغول تھا۔ عبادت گزار خدا تعالیٰ احکام کی
جا آؤ ری کے بعد سر بلند باہر آئے تھے اور اسی لئے النافون کی بجائے دیوتاؤں ایسی
عونت سے چل رہے تھے۔ تب اُس عبادت خانے کے متولی نے کپڑے کی اُس سفید
بلی کو دیکھا جو ایک کونے میں رکھی تھی، پوٹلی تھی مگر فرم مٹنی کی طرح ہوئے ہوئے
رہی تھی۔ اُسے کھولا گیا تو.....

تب اُس نے لعلن مادر سے باہر پہلی صبح دیکھی اور عبادت گزار اُس پر جھکے ہوئے

مختی اور ایک سرائے مختی اور جھوٹے کے دھیر پر ایک نومولود بچہ لیٹا تھا اور اس رجیادت گزار جھکے ہوئے تھے مگر یہ شریعت المقدس نہ تھا لیکن بچہ بھی عبادت خانے کے حصہ میں ایک پوٹلی مختی اور جب اُسے کھولا گیا تو بطنِ مادر سے باہر اُس نے اپنی پہلی صبح دیکھی اگرچہ وہ ابنِ مریم نہ تھا اور عبادت گزار اُس پر جھکے ہوئے تھے مگر ابنِ مریم تھا کہ بھی بچے ابنِ مریم ہوتے ہیں کہ ان کا رب اُنہیں تخلیق کرتا ہے۔ ایک عبادت گزار نے ہاتھ پڑھائے کہ اُسے گود میں اٹھا لے کر فرش سخت تھا اور صبح کی خلکی اُس کے نشانے بدن میں نیلا ہٹ اُجھار رہی تھی تب متولی کی اندوہناک بیخ نے غیر ملکی سیاح کو بھی دہلا کر رکھ دیا۔ ”غلاظت“ ایک اور عبادت گزار کا ہاتھ آگئے آیا۔ ”گندگی اور گناہ“

کچھ اور مہربان ہاتھ آکے مگر سب کو غلاظت۔ گندگی اور گناہ کی چیزوں سے بھٹک دیا گیا۔

”یہ ناپاک ہے ناپاک شخص۔ فحاشی اور بے صیانت کی پیداوار۔ مت چھوڑ۔ اپنے ایکان کی چادر کو آلودہ مت کرو۔“

صبح کی خلکی اُس کے نشانے بدن میں نیلا ہٹ کو پھیلارہی تھی اور ایک ہاتھ نے اسے ڈھانپنا چاہا اور اُس کو بھی بخوبی میں کس کر اٹھا لیا گیا۔ ”مت چھوڑ.....“

تب متولی ایک گھری پاکیزہ سوچ میں ہوا، ”سر جھکایا اور احکام خداوندی کا طالب ہوا۔ تھوڑی دیر بعد سرا اٹھایا، اپنے ماتھے پر ثابت مقدس نشان پر ہاتھ پھیرا اور نہایت نرم اور شفیق لبھے میں بولا۔ ”اس کی نجاست سے یہ مقدس صحن بھی بخوبی ہو گیا ہے اسے بھر سے پاک کرنا ہو گا۔ احکام یہ ہیں کہ۔“ تب اُس نے اپنے نیاد میں پوشیدہ دونوں ہاتھ باہر نکالے اور فضا میں بلند کر دیئے۔ ان میں پاکیزگی کے پتھر تھے۔ پہلا پتھر اُس نے خود مارا۔ بطنِ مادر سے باہر پہلی صبح اور پہلا پتھر۔ اور دیشتر عبادت گزار اُس پر جھک گئے اور ان کے ہاتھوں میں پتھر تھے کہ خداوندی احکام یہی تھے۔ اور ابنِ مریم نے جرأت سے دیکھا کہ عبادت گزار اُس پر جھکے ہوئے

۳۲۱

ہیں اور ان کے پاٹھوں میں پھر ہیں اور ہر پتھر کے بعد ان کے مقدس چہر دل پر رُخ
پھینٹے پڑتے ہیں اور وہ ایک سرشاری کے عالم میں پھر پھرا رہتا ہے یہی اور گشت
کے نرم ملحوظ بے کی طرف تاک کو پھینٹتے ہیں اور کسیوں کا نشانہ چوک بھی جاتا ہے کہ
وہ ناپاک ہدف بہت چھوٹا ہے اور یہ تعین کرنا بھی دشوار ہو رہا ہے کہ آخری پھر
کو نہ ہو کیونکہ اُس نیں علم ہی نہیں کر دہ تو پہلے پتھر کے بعد ہی والپس اکماںوں کو
جا چکا ہتا۔ البتہ عبادت گزاروں کے چہرے سرخ پھینٹوں سے سرخ ہو گئے وہ
سرخ رہ ہو گئے۔ پوٹلی جو سفید عقیٰ اب خون سے لختہ رہی ہوئی عقیٰ اور اس میں صرف
ایک بڑا سا پھر اور گیا تھا اور بالآخر اسے بھی انتہائی کراہت سے گزدکی کے لامک
ڈھر پر پھینک دیا گیا جو عبادت خاتمے سے یا ہر تھا اور مقدس صحن پھر سے پاکیزہ پہنچا
اور اس پر فور بر سے رگا۔ عبادت گزار اپنے اپنے گھر دوں کو چلے گئے متولی نے کھرے
ہوئے پھر دوں کو چنا اور ایک کرنے میں سیلتے سے جوڑ دیا۔ ایک پتھر وہ محبوں کیا
وہ پتھر غیر ملکی سیاح نے اٹھایا، اُسے دیکھا، اُس پر سرخی میں پھرتا ہوا فتحہ عبادت
چند فڑتے تھے، گلبانی رنگ کے، ابنِ مریم کی رنگ کے۔ وہ بیویش ہو گیا۔

پال میں نے دیکھا۔

لیکن ہاڈ کی یہ داستان جیکل نہیں سُن رہا تھا، وہ تمام مشین کے ٹکڑے کو
ہاتھ میں تھا اس کھڑا تھا اور پھٹی پھٹی نظر دوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہاڈ
تم بھوٹ بول رہے ہو بُڑھے بُکرے۔
”یہ قسم کھا کر کتنا ہوں کہ میں پندرھویں صدی کے پُرا سارا مشرق سے ہو کر کیا
ہوں؟“ ہاڈ ناراض ہو گیا۔

جیکل نے لو ہے کاٹکر اُس کے آگے رکھ دیا۔ یہ تمام مشین کا ڈائل ہے میں غلطی
سے پندرھویں صدی کی بجائے میسویں صدی کا بن ہی دبا دیا تھا۔ تم تو آج انہی زماں میں
اُس غلطے کو دیکھ کر آئے ہو۔“

”کیا ان زماں میں یہ ہو سکتا ہے؟“ ہاڈ نے اس کے آگے خون الہو پتھر رکھ دیا اور
پتھر پر سرخی سے پھرتا ہوا قیمتہ تھا اور چند فڑتے تھے، گلبانی رنگ کے، ابنِ مریم کی رنگ کے۔

ڈاہری ۶۸۳

پہلادن

فقیر آتا ہے، صدا دیتا ہے، چلا جاتا ہے، پتہ نہیں کیا صدا دیتا ہے، کماں سے آتا ہے، کماں چلا جاتا ہے لیکن فقیر ہے اور صدا دیتا ہے۔
 جھمرات ہو تو دس پیسے فقیر کے حساب سے اپنے رزقِ حلال سے نکالتا ہوں۔ محتاجوں، بیواؤں، میتیوں اور فقروں کو خیرات دیتا ہوں۔ کر مجملًا سو ہو مجملًا لیکن اس فقیر کو کچھ نہیں دے پاتا۔ کیونکہ وہ آتا ہے، صدا دیتا ہے، چلا جاتا ہے۔ پتہ نہیں کیا صدا دیتا ہے، کماں سے آتا ہے، کماں چلا جاتا ہے، لیکن فقیر ہے اور صدا دیتا ہے۔ پتہ نہیں کیا کہتا ہے۔ کون سی زبان میں کہتا ہے اللہ رسول کا نام لیتا ہے اور ان کے آگے بیچھے پتہ نہیں کیا؟ "بِحَمْدِهِ بِحَمْدِهِ" وغیرہ کہتا ہے۔ فقیر ہے ظاہر ہے مانگتا ہی ہو گا۔ اور ان دونوں رزقِ حلال میں بھی کچھ کمی ہو رہی ہے۔ کمیں دھماکہ ہو جائے۔ گولی چل جائے تو رزق بھی ہر اسال ہو جاتا ہے۔ فیروزگیں اس کی آنکھوں میں پڑ جائے تو اسے دکھائی نہیں دیتا اور دکھاتا۔ نہ دے تو میری جانب کیونکر آئے اور اب اگر میری جانب نہ آئے تو میں اسے خیرات

یکھے کروں... اور خاص طور پر اس فقیر کی صدای ہی میری سمجھ میں نہیں آتی جو صدا دیتا ہے اور چلا جانا ہے۔

اس کی صورت شکل ہم جیسی نہیں ہے۔ ہم تو نماش اللہ را زقد کھلی ہوئی رنگت اور فراخ سنینوں کے مالک ہیں۔ لیکن وہ یونہی سا ہے۔ پھر ٹوے قد کا، نیم سیاہ، فاقہ ندوہ اور چکھی والوں کا، ہماری طرح خوش بیاس بھی نہیں، پھٹپٹی ہوئی چارخاں دھوئی اور پاؤں سے ننگا۔ ہاتھ میں پھتری بھی ضرور رکھتا ہے۔ آسمان کی جانب دیکھتا ہے۔ جیسے ابھی بارش ہونے کو ہو۔ حالانکہ حاصلت ہے۔ ہمارے ہاں اتنی بارش تو نہیں ہوتی۔ ہاں اس کی آنکھوں میں سازش ہے۔ لیکن اللہ رسول کا نام لیتا ہے۔

تیسرا دن

یجھے وہ فقیر پہچانا گی۔

اپنے خواجہ صاحب آج اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر مجھے غریب کو ملنے کے لئے تشریف لے آئے، کل ہی جاپان سے لوٹے ہیں۔ اسے پہلے خواجہ صاحب کا سابقہ مشرقی پاکستان میں بڑا وسیع کاروبار تھا۔ پھر وطن اور اسلام دشمنوں نے تخریب کاروباری سے وطن پاک کا وہ بازوں الگ کر دیا تو وہ ادھر جعلے کئے آئے دو کپڑوں میں مختح اپ کپڑوں کی طور کے مالک ہیں، ہاں تو خواجہ صاحب تشریف لے آئے اور اُسی وقت وہ فقیر بھی آگیا۔ اُس نے صدادی تو خواجہ صاحب چونکے۔ اُسے پاس بُلایا۔ بٹھایا اور گفتگو کرنے لگے اور اُسی عین ماوس "بھالو بھالا" زبان میں جس میں وہ صدادیتا تھا۔ خواجہ صاحب نے بتایا کہ یہ فقیر بُنگالی ہے۔ بلکہ دو لمحت ہوا تو ادھر بُنگالیوں کی فہرستیں نہیں۔ یہ فقیر کسی درگاہ میں پڑا رہتا تھا۔ اس کا نام کون شامل کرتا۔ چنانچہ نہیں رہ گیا۔ اب زبان اسے نہیں آتی اس نے بُنگالی میں ہی صدادیتا ہے جو کسی کو سمجھ نہیں آتی چنانچہ اکثر بھوک کا رہتا ہے۔ پوچھو کر بُنگالی ہو تو پیر پر ماتحہ مادتا ہے کہ بھوک لگی ہے۔ مجھے ایک تو اس کی زبان سے اندازہ ہو اکبر بُنگالی ہے۔۔۔۔۔ اور دوسرے اس کی آنکھوں سے جن میں سازش کی چک ہے۔